سیکولرازم

اُصول و مبادی، تاریخ و تنقید

غزل کاشمیری اُستاذ شعبۂ علومِ اسلامیہ - اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

(۲)

سیکولرازم کے مبادی سیکولرازم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانی ترقی کے لیے صرف دُنیاوی وسائل پر بھروسہ کیا جائے، کیونکہ دُنیاوی وسائل ہماری دسترس میں ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، پھر یہ وسائل ہمارے مطلوبہ مقاصد کے حصول میں زیادہ آزادی کے ساتھ کارآمد ہو سکتے ہیں۔ سیکولرازم ایسے دَور میں پروان چڑھا جب سائنس اور مذہب میں علیحدگی کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا، اس مطالبہ کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی خاطر سیکولر حقائق کے آزاد اور غیر جانب دار ہونے کا اعلان کیا گیا۔ سیکولرازم کی بنیاد موجودہ زندگی کے تجربہ پر رکھی گئی ہے، اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسے عقل کے ذریعے آزما کر تجربے میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ محسوس کرتا ہے کہ جس طرح ریاضیات اور کیمیا سیکولر علوم ہیں اسی طرح ایک فلاحی زندگی اور انسانی طرزِ عمل کے بارے میں سیکولر نظریہ قائم کرنا ممکن ہے اور انہی خطوط پر سائنسی تعلیمات کو شعوری ہدایات میں سمویا جا سکتا ہے۔

اِسی طرح سیکولرازم کے مذہب کے ساتھ تعلقات کو معاندانہ کی بجائے منفرد بیان کیا گیا۔ دینیات اَن دیکھی دُنیا کی تعبیر کو تسلیم کرتی ہے، سیکولرازم اَن دیکھی دُنیا اور اس کی تعبیر سے لاتعلق ہے۔ وہ اس جانی پہچانی دُنیا سے تعلق رکھتا ہے جس کی تجربہ سے تعبیر کی گئی ہے، یہ کسی اُخروی زندگی کی کوئی پیش کش کرتا ہے اور نہ ہی اس سے منع کرتا ہے۔ توحید یا الحاد سیکولر سکیم کا جزو نہیں ہیں

کیونکہ دونوں کسی تجربے سے ثابت نہیں ہیں۔ جہاں تک دینیات کی اخلاقی تعلیمات کا تعلق ہے، وہ اس کے ساتھ اشتراک رکھتا ہے، لیکن وہ اِن عقاید کی بنیاد ایسی تجویز کرتا ہے، جو دینی عقائد سے آزاد ہے۔ سیکولرازم انہی لوگوں کے لیے باعثِ کشش ہے، جو مختلف اسباب کی بنا پر دینیات سے غیر مطمئن ہو چکے ہوں۔ سیکولرازم یہ تجویز کرتا ہے کہ مکمل اخلاقیات صرف سیکولر سوچ کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے، جس طرح کہ وہ مسالہ جو کسی مکان میں مستعمل ہوتا ہے اس مہندس کے بغیر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، جس نے خود اس مکان کو بنوایا ہو۔ سیکولرازم اس بات پہ زور دیتا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ کہیں اور روشنی نہیں ہے اگر ہے تو وہ انسانی مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتی۔ دینی عقیدہ جب تک انسانی مسرت کے سامنے عملی رکاوٹ بن کر کھڑا نہیں ہو جاتا۔ سیکولرازم اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیتا ہے، چاہے جیئے، چاہے مرے۔ لیکن تاریخی لحاظ سے سیکولرازم ہمیشہ الحاد کے ساتھ مختلط رہا ہے، اگرچہ ہولی اوک نے ہمیشہ ان دونوں کے مابین امتیاز پہ زور دیا ہے۔ اس نے سیکولر اصولوں پہ بریڈلاف کے ساتھ ہنسی خوشی اتحاد کر لیا، اسی طرح وہ ہر اس شخص کی طرف دستِ تعاون بڑھانے کو تیار رہتا جو سیکولر ذرائع سے ساتھ انسانیت کی باہمی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا چاہتا تھا، وہ توحید اور الحاد دونوں کو ایک قسم کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدہ پرستی خیال کرتا تھا، اس کے برخلاف بریڈلاف کا یہ خیال تھا کہ "سیکولرازم کا فرض ہے کہ وہ مذہبی اعتقاد کا مقابلہ کرے، جب تک یہ توہمات اپنی پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوتے رہیں گے۔ مادی ترقی کا تصور محال ہے" —— سیکولرازم دعویٰ کرتا ہے کہ استدلال کے قوانین —عقل و فہم— کے ذریعے اُس کے اصولوں کی ترتیب و تہذیب کر کے انہیں تمام انسانیت پر مساوی انداز میں لاگو کیا جا سکتا ہے، وہ کہتا ہے" اخلاق کی بنیاد استدلال پہ ہے، غلطی علم میں ہوتی ہے نہ کہ ارادہ میں"۔

ہولی اوک کے نزدیک ایسے مادی حالات پیدا کرنا ممکن ہے جن کی وجہ سے افلاس اور محرومی کی جڑ اکھاڑی جا سکتی ہے۔ افادیت پسندوں کی طرح وہ بھی اس بات کا قائل تھا کہ یہ حقیقت بذاتِ خود روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ "اخلاق ہی ایک ایسا عمل ہے جو انسانیت کی

مشترکہ فلاح و بہبود کو قائم کر سکتا ہے۔" اُس کے نزدیک جس طرح سائنس انسانی صحت کے اُصول بتا سکتی ہے۔ اسی طرح انسانی خوشحالی کے اُصول بھی بتا سکتی ہے۔ انسانی خوشحالی کے حصول کے لیے ہمیں استدلال سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ لیکن استدلال کو بروئے کار لاتے ہوئے وقت ہمیں ذاتی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ استدلال میں ذاتی ارادہ شامل کر کے ہم نہ تیقن حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی نظم و ضبط حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح تیقن اور تنظیم کا دفاع صرف غیر جانبدار عقل ہی کر سکتی ہے، لہٰذا عقل کو آزاد رکھنا ضروری ہے۔ علم الاخلاق اور مذہب پر تحقیقات سائنسی تحقیقات کی طرح آزادی سے ہونی چاہیے، کسی بھی تحقیق، تنقید اور اشاعت پر قانونی یا روحانی سزا نہیں ہونی چاہیے، زندگی کا یہ عملی نظریہ پیش کر کے سیکولرازم ایک ایسا مقصد پورا کرتا ہے جو بقول اُس کے مذہب ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ وہ حق کو سند مانتا ہے نہ کہ سند کو حق۔ وہ افادۂ تقویٰ کو تقوائے افادہ پر ترجیح دیتا ہے۔

IT TAPES TRUTH FOR AUTHORITY, NOT AUTHORITY FOR TRUTH, AND SUBSITUTES THE PIETY OF USEFULLNESS FOR THE USEFULLNESS OF PIETY.

جو بھی انسانیت کے لیے احسن ہوگا، وہ اس عقل کے ذریعے طے ہوگا جسے تجربہ کی بھٹی سے نکالا گیا ہوگا، اور "خلاق انسانیت" یقیناً اس پر صاد کرے گا، یہ جدید تقویٰ خود اپنے بل بوتے پر اپنا اظہار کرے گا، اور "دانائے کل" "متلوّن التجاؤں" سے دق نہیں ہوگا۔ ہم عملی طور پر عمومی قوانین کے تابع ہیں۔ اور انسان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان قوانین کا کھوج لگائے اور ان کے مطابق زندگی بسر کرے۔

سیکولرازم کی ترقی کی فضا اُنیسویں صدی کے وسط میں سیکولرازم کے اثرات زیادہ واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب عیسائیت دشمن ردِّ عمل سیکولرازم اور اس کے الحادی نظریات کی یادگار تحریک تھی، مگر بعد میں یہ تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہونے لگا اور منظم عقلیت پسندی میں ضم ہو کر اپنے آزاد وجود سے محروم ہو گیا، آج کل عقلیت پسندی ہی سیکولر روح کی جدید ترین اشکال پیش کر رہی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سیکولرازم کا سنہرا دور وہی

تھا جب وہ اپنے ہمدردوں کے مذہب دشمن پراپیگنڈہ کے ساتھ کلی طور پر متفق ہو گیا تھا۔ مثلاً بریڈلاف سیکولر تحریک میں شامل ہو گیا حالانکہ ہولی اوک سیکولرازم میں "دہریت" کو شامل کرنا ضروری نہیں سمجھتا تھا، مگر رفتہ رفتہ سیکولرازم میں "دہریت" کے مباحث ختم ہو گئے، اس میں قدیم رنجشیں دور ہو گئیں۔ سائنس اور مذہب کی علیحدگی کا ایک معتدلانہ نظریہ غالب آگیا لیکن انہی اشیاء کے ساتھ سیکولرازم کی اصل خصوصیت ختم ہو گئی اور اسے منظم تحریک کی شکل میں زندہ رکھنا محال ہو گیا، کیا اب یہ اپنی روح اور اصولوں کے ساتھ اپنا احیا کر سکے گا؟ اس میں بہت کچھ شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

سیکولرازم مادی کرہ میں عالم انسانی اور مفاد انسانی کی محدودیت کا قائل ہے۔ یہ نظریہ اگرچہ ممکن ہے اور عملی طور پر یقیناً بنی برحق ہے لیکن نظریاتی نقطہ نظر سے اسے حق ثابت کرنا نہایت مشکل ہے اور سیکولرازم یہی ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے۔ عملی لحاظ سے دیکھا جائے تو ایسے لاکھوں لوگ ملیں گے جن کے مفادات اور تعلقات زندگی کے مادی پہلوؤں سے وابستہ ہوتے ہیں اور یہی رویہ دنیا میں قابل عمل بھی ہے، کیونکہ لوگوں کی اکثریت زندگی اور عمل کے بارے میں کوئی شعوری نظریہ نہیں رکھتی، اور نہ ہی انہیں کسی نظریہ کی ضرورت ہے۔ گویا نظریہ کے عدم وجود سے عملی سیکولرازم جاری و ساری ہے۔ سیکولرازم کی کمزوری اس بات میں پوشیدہ ہے کہ وہ انسانیت کو اسی قسم کے غیر ضروری اور نامکمل دلائل مہیا کرتا ہے جن کو چاہے بغیر وہ سیکولرازم کے مقاصد پورے کر رہی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے "فطری حقیقت پسندی کے سادہ انسان" کو فلسفیانہ بنیادیں مہیا کرنے کی کوشش کی جائے۔ حالانکہ یہ سادہ انسان خارجی حقیقت کے وجود کے لیے جو اس کی شہادت کو ہی ناقابل تردید ثبوت قرار دیتا ہے۔ یہ خارجی حقیقت ویسی ہی ہے جیسی ہمارے سامنے موجود ہے۔ عملی لحاظ سے اس کے لیے فلسفیانہ بنیاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی نظریاتی لحاظ سے یہ بنیاد دی جا سکتی ہے، کیونکہ فلسفہ گام اولین پر ہی سادہ انسان کے مفروضات کو غیر تسلی بخش قرار دیتا ہے۔ یہی حال سیکولرازم کا ہے، بے شمار لوگ عملی لحاظ سے سیکولر ہیں۔ لیکن زندگی یا عمل کے بارے میں ہر نظریہ بحث طلب ہوتا ہے اور سیکولرازم ان کو نظر انداز کر دیتا ہے، اگرچہ ہولی اوک نے دعویٰ کیا تھا کہ

سیکولرازم زندگی اور عمل کا نظریہ ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ "لا ادریت" کی طرح ـــــ جس کا یہ پرجوش اتحادی ہے ـــــ ان میں سے ایک کا انکار کرتا ہے۔ چونکہ یہ عمل کو غیر ضروری قرار دیتا ہے لہٰذا ناکام ہو گیا، کیونکہ اس کے پاس اب مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی عملی لحاظ سے کوئی فرد اپنے مفادات کو "نظریۂ محدودیت" کے بغیر محدود کر سکتا ہے اور "نظریۂ منفیت" کے بغیر ان کی نفی کر سکتا ہے، تاہم جب ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں "ہمیں اپنا علم محدود کیوں رکھنا چاہیے؟" تو ہم پر قبول یا رد کا رویّہ اختیار کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب کہ برخلاف اس کے مذہب ایک ایسا علم بھی فراہم کرتا ہے جو مادّی تعلقات سے ماوراء ہے۔ اس معاملہ میں بریڈلاف ہولی اوک سے زیادہ استقامت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس حقیقت کو مزید تقویت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب یہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ سیکولرازم اس وقت بہت جاندار بن جاتا ہے جب اُسے مذہب دشمن نظریات کے ساتھ منسلک کیا جائے، مذہب سے انکار کی بجائے اس سے چشم پوشی کرنا ناقابلِ عمل ہے، کیونکہ مذہب دنیاوی اور روحانی دونوں تعلقات کو باہم دیگر ملا کر پیش کرتا ہے۔ مذہب زندگی کے سیکولر نظریے کا انکار کرتا ہے۔ سیکولر نظریہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مذہب کے اس دعوے کا توڑ پیش نہ کرے کہ وہ زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ ایک محال مفروضہ ہے کہ خدا تو ہے لیکن مادّی دنیا سے لاتعلق ہے، جو شخص بھی خدا پر یقین رکھتا ہے، وہ اس پر تمام حقائق سے "اعلیٰ حقیقت" کے طور پر یقین رکھتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور صحیح ہے کہ عملی زندگی میں ایک موحّد اپنے اعمال میں خدائی احکامات کو نافذ نہ کر کے قابلِ ذکر حد تک اپنے غیر مستقیم ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ لیکن اس طرزِ عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایک تسلی بخش نظریہ ترتیب دینا نہایت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولرازم اگر مکمل طور پر مذہب دشمن نظریہ نہیں اپناتا تو ناکامی اس کا مقدر رہے گی، فلسفیانہ لحاظ سے سیکولرازم ـــــ جیسا کہ ہولی اوک نے پیش کیا ہے ـــــ کی کمزوری اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ وہ "حقائق" (   ) اور "اقدار" (   ) میں فرق قائم کرنے میں نااہل ثابت ہوا ہے۔ یہی ناکامی مذہب پرستی کی طرف بھی منسوب کی جا سکتی ہے،

جب کہ انیسویں صدی میں اُس نے اپنے دعاوی کو سائنسی رنگ میں پیش کرنا چاہا۔

سیکولرازم کے داعیوں کے نزدیک حقائق تجربہ کی تجرید ہیں، اسے سائنس بھی تسلیم کرتی ہے، حقائق کو عقلی علم کے معاملات بھی کہا جاتا ہے ، مگر اقدار کی اہمیت وابدیت صرف عقیدہ کے عمل سے پیدا ہوتی ہے سیکولرازم ریاضیات اور کیمیا پر قیاس کر کے حقائق کا اخلاقی نظام تعمیر کرنا چاہتا ہے، وہ صرف علم سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ عقیدہ سے اس طرح ایک بنیادی فرق سے اپنی کم عقلی کا ثبوت دیتا ہے، وہ حق کے معیار کے ساتھ تقابلی اقدار کے مابین فیصلہ کرتا ہے، وہ "سچائی" (TRUTH) اور "عقل" (REASON) کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ لیکن ان اصطلاحات کے حقائق کے ساتھ تعلقات کو سمجھے بغیر اظہارِ خیال کرتا ہے، گویا یہ اصطلاحات اقدار کے وجود کا بذاتِ خود ثبوت مہیا کرتی ہیں اور تقابلی اقدار کے مابین .... امتیاز کو واضح انداز میں بیان کرتی ہیں، اس کے برخلاف افادیت پسندی جو فلسفیانہ نظریہ ہے اور جس نے سیکولرازم کو قوت محرکہ عطا کی ہے ـــــ ابھی تک غالب تھا اس کے نزدیک سیکولر اخلاقیات پر عمل کرنا ممکن تھا، لیکن جب افادیت پسندی کو بھی زوال آگیا، جس پر سیکولرازم کی فلسفیانہ بنیاد تھی تو لازمی طور پر سیکولرازم کے فلسفیانہ مفروضات بھی ناکام ہو گئے۔ انہی اسباب کی بنا پر سیکولرازم زندگی اور عمل کے نظریہ کی حیثیت سے باقی نہ رہا۔ اور یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ اپنے وقت کے حالات کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے ، اس کے اخلاقی مقاصد قابلِ تحسین ہیں۔ مگر یہ بھی کسی موزوں بنیاد سے محروم ہیں، جس پر قائم ہو کر یہ انسانی افکار کا ایک ابدی خاکہ پیش کر سکے ، غالباً یہی وجہ ہے کہ فلسفہ کی کسی بھی کتاب میں سیکولرازم کا ذکر نہیں ملتا، اسے باقاعدہ عنوان کے تحت کسی بھی کتاب نے جگہ نہیں دی، کیونکہ یہ حیات کی آئیڈیالوجی بن ہی نہیں سکتا ، مثلاً حال ہی میں تاریخ فلسفہ پر ایک ضخیم کتاب چھپی ہے جسے فریڈرک کمپلیسٹن نے لکھا ہے، اس میں ہر قسم کے فلسفیانہ نظریات کا ذکر ہے مگر سیکولرازم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ، برٹرینڈرسل کی "مغربی فلسفہ کی تاریخ" بھی اس

1- A HISTORY OF PHILOSOPHY, "FREDERICK COMPLESTON.
SEARCH PRESS LONDON 7TH IMPRESSION 1976

P.T.O.

کے ذکر سے خالی ہے ۔ " فلسفہ کا انسائیکلوپیڈیا " میں اس کا نام ونشان تک نہیں ہے ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مادیت کے مرکز ماسکو نے " فلسفہ کی ڈکشنری " شائع کی ہے ، اس میں بھی یہ لفظ ڈھونڈے سے نہیں ملتا ۔

غیر مذہبی نظام (LAICISM)

فرانس میں سیکولرازم کی جگہ (LAICISM) کی اصطلاح منظر عام پر آئی ۔ یہ وہ دور تھا جب کہ تیسری جمہوریہ کے ماتحت حقیقی اقتدار کے لیے چرچ اور ریاست میں کشمکش جاری تھی ۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اس اصطلاح نے چرچ اور ریاست کے مسائل کو سلجھانے کی طرف زیادہ توجہ دی ۔

لیس ازم کی روحانی جڑیں نشاۃ ثانیہ ، " انسانیت پرستی " اور سب سے بڑھ کر " روشن خیالی " تک جاتی ہیں ، یہی وہ دور تھا جب کہ دنیا کی خود مختار اور جبلی قدر کو زندگی کے ہر شعبہ میں تسلیم کیا جانے لگا تھا ، مثلاً ریاست ، معاشرہ ، قانون ، معاشیات ، ثقافت اور تعلیم میں یہ تحریک توہماتی اور خیالی حاکمیت یا کلیسائی ولایت سے نجات حاصل کرنے کے لیے چلائی گئی تھی ، اس دور میں فرد کو اپنی پسند کا مذہب اور پیشہ اختیار کرنے کی آزادی دلائی گئی ، مگر یہ حق صرف افراد تک محدود تھا ، مذہبی تنظیموں میں ابھی تک اس کا پرچار کارگر ثابت نہ ہوسکا ، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ مذہبی کمیونوں کو نجی حقوق کی بنیاد پر ایک علیحدہ تنظیم قرار دے دیا گیا ، اور انہیں عوام کا نمائندہ بننے یا عوام کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے حق سے محروم کر دیا گیا ۔

مذہب سے نجات حاصل کرنے کے عمل کو جب دستوری قانون بنا یا گیا تو اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست اور مذہب میں علیحدگی وجود میں آنے لگی اور اس کی تکمیل بھی ۹ ستمبر ۱۹۰۵ء کو

باقی حاشیہ صفحہ سابقہ

2— "HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY" BERTRAND RUSSELL, UNWIN UNIVERSITY BOOKS, 7TH IMPRESSION 1974

حاشیہ صفحہ ہذا

1— "THE ENCYCLOPEDIA OF PHILOSOPHY" PAUL EDWARD EDITOR IN CHIEF THE MACMILLAN COMPANY & THE FREE PRESS NEW YARK

کو تیسری جمہوریہ کی قانون سازی میں ہو گئی۔ ۱۸۰۱ء کا پوپ کے ساتھ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا، ۱۹۰۴ء میں عدالت پوپ (HOLY-SEE) سے مدبرانہ تعلقات توڑ ڈالے گئے، پبلک فنڈز سے چرچ کی امداد بند کر دی گئی، چرچ کی تمام عمارات ریاست کی ملکیت قرار دے دی گئیں، البتہ پرستش سکھانے کے باضابطہ سرکاری اور سند یافتہ گروہوں کو اور اُن کی بیرونی تنظیموں کو یہ عمارات مفت استعمال کرنے کی اجازت حاصل تھی، ان سرکاری مذہبی اداروں کے مالی انتظامات کی نگرانی بھی ریاست کرنے لگی۔ تیسری جمہوریہ کا تعلیمی نظام ایک قسم کا ریاستی مذہب تھا، جسے "سرکاری الحاد" کہا گیا۔ ۱۷۹۳ء تا ۱۷۹۵ء کے انقلاب کی "محبت خدا و بشر" (THEOPHILANTHROPISM) کو مذہب کا نعم البدل قرار دیا گیا۔ یہ قدم اس وقت اٹھایا گیا جب ۱۸۸۲ء میں ریاستی سکولوں سے مذہبی نصاب ختم کر دیا گیا، اس کی جگہ ریاستی خطوط پر ترتیب دی گئی اخلاقی تعلیمات رکھی گئیں۔ ابتدا میں خدا کے اعتقاد کو اخلاقی تعلیمات کے اوّلین سرچشمہ کے طور پر باقی رہنے دیا گیا، لیکن ۱۸۶۶ء میں معرض وجود میں آنے والی (LIGUEDELI ENSEIGNEMENT) نے مطالبہ کر دیا کہ اخلاقیات کو تمام خدائی ہدایات سے پاک کر دیا جائے، اس طرح ریاستی چرچ نے بھی مذہب کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا، اور یہ نظریہ عالمگیر شہرت حاصل کر گیا، چونکہ مذہبی احکامات آزاد سکولوں کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ لہٰذا قانون سازی کو سب سے زیادہ ان کے خلاف موڑا گیا، ۱۸۸۰ء میں یسوعی مکتبِ فکر پر پابندی عاید کر دی گئی۔ دوسرے کلیسائی فرقوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سرکاری سند حاصل کرنے کے لیے ریاست کو درخواستیں دیں۔ ۱۹۰۱ء کے قانون کے مطابق ہر مذہبی مقام اور جدید عمارتوں کے لیے ریاست کی طرف سے لائسنس حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ ۱۹۰۴ء میں بلا استثنا تمام مذہبی مقامات کو ہر قسم کی تبلیغی سرگرمیوں سے منع کر دیا گیا۔ فرانس کی طرح یہ خاص مسئلہ یورپ کے دوسرے حصوں میں بھی درپیش تھا۔ کہ آیا سکولوں اور تعلیم کو سیکولر ریاست کے تحت رکھا جائے یا کلیسائی فرائض کے تحت؟ جب ریاست نے مذہب سے مکمل خلاصی کی سخت گیر پالیسی اختیار کی تو اس کے خلاف کیتھولکوں کی طرف سے بھی سخت دفاعی جدوجہد کا آغاز ہو گیا، مگر وہ ریاست کے سیکولر (CREDO) کو سننے اور دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ جمہوری ریاست اس حکم کو نافذ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ فرانسیسی کیتھولکوں کی اکثریت

اپنی سیادت کی بقا کی موہوم امیدوں پر زندہ تھی - کیونکہ یہی کیتھولک چرچ کے خارجی بقا کی واحد ضمانت تھے، کیتھولکوں کا یہ عملی قدم محض خود حفاظتی کا ایک ذریعہ تھا، اس پر ریاست زیادہ سخت مزاج ہوتی گئی - فرانسیسی کیتھولکوں کی اکثریت کو دوسری جنگ عظیم کی اتھل پتھل کے بعد گوشہ گمنامی سے نجات ملی، وہ اپنی مذہبی سیادت کو دوبارہ حاصل کرنے کی سعی کرنے لگے - اگرچہ پوپ کے اعلانات محض دفاعی انداز کے حامل تھے - انہوں نے اپنے اطوار میں راہ اعتدال اختیار کرنے کی پالیسی اپنانی شروع کر دی، کارڈی نال لاوی جیری نے مصالحانہ تنبیہات کرنی شروع کر دیں - ۱۹۰۶ء میں پائس دہم (PIUS X) نے اپنے خطبوں میں چرچ کے معقول اور جائز طریق کار میں دخل اندازی کی مذمت کی، اس نے چرچ اور ریاست کی علیحدگی کو بھی مسترد کیا - ۱۹۲۵ء میں پائس یازدہم (PIUS XI) نے اپنے پمفلٹ میں (LAICISM) کو چرچ کے ذخیرہ الفاظ میں شامل کر لیا - جہاں تک چرچ کا تعلق ہے، اس کی راہبانہ ہوشیاری برقرار رہی اور ریاست کے ساتھ جدید تعلقات کی وجہ سے اس میں مزید پختگی آگئی، جہاں تک ریاست کا تعلق ہے تو وہ چرچ سے علیحدگی کے قوانین بڑی بردباری اور نرمی کے ساتھ نافذ کر رہی تھی، بہر حال چرچ اور سٹیٹ کے مابین خلیج کو ایک معاہدہ کے ذریعے پاٹ دیا گیا، ۱۹۳۱ء میں عدالت پوپ (HOLY SEE) کے مدبرانہ تعلقات کو بحال کر دیا گیا - جب ۱۹۵۳ء میں عہدہ اسقف کا فرانسیسی اعلان ہوا تو چرچ نے یہ پالیسی اختیار کی کہ باہمی تبادلہ خیالات کے لیے دروازہ کھلا رکھا جائے - چنانچہ ۱۹۵۸ء میں (LAICISM) کے مفہوم کو واضح کر دیا گیا کہ " ریاست اور عوامی اداروں کا وہ قانونی حق اور اقتدار اعلیٰ جسے عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر ریاست استعمال کرے گی، اس کی بنا پر پبلک لا کے تحت مذہبی تنظیموں کے وجود اور شہریوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے گی " جہاں تک سکولوں اور تعلیم کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں کیمبرلئے (CAMBRAI) کے آرچ بشپ ای - ایم گوری (E-M-GUERRY) کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، " جہاں تک ریاستی سکولوں کا تعلق ہے تو یہ کسی فرقہ واریت کے تحت نہیں ہوں گے اور نہ ان کا کوئی خاص نام رکھا جائے گا، بلکہ یہ غیر جانبدار ہوں گے، نہ یہ مذہب کے حق میں بیان دیں گے اور نہ یہ مذہب کو مسترد کریں گے "

آرچ بشپ نے کہا یہ قدم (LAICISM) کے الٹ ہے، کیونکہ یہ ایک فلسفیانہ

(باقی برصفحہ ۵۵)

(بقیہ سیکولرازم)

نظریہ ہے جس کی بنیاد افادیت پسندی، مادیت پسندی اور نظریاتی الحاد پر ہے۔ اس کی بنا پر ریاست اُسے تمام عوامی اداروں پر نافذ کرتی ہے، ان میں سکول بھی شامل ہیں (۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء) چرچ کے اس رویے کو ویٹیکن نمبر ۲ کے ان اعلانات سے مزید تقویت حاصل ہوئی جن میں ارضی حقائق کی مکمل خود مختاری کو تسلیم کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں عیسائیوں کو اپنی پسند کا سیاسی نظام اختیار کرنے کی آزادی مل گئی۔ گویا ریاستی ڈھانچہ کی دونوں انتہاؤں کے باہر رہ کر چرچ اپنی سرپرستی کو باقی رکھنے کا دعویٰ کر رہا تھا، حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو عملی طور پر چرچ نے ریاست اور مذہب کی علیحدگی کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور یہی حکومت چاہتی تھی۔